حضرت علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ

اشتراکیت کے بنیادی افکار پر تنقید

سرمایہ داری، کمیونزم اور اسلام پر حضرت مولانا کے افادات کا کافی حصہ الحق میں شائع ہو چکا ہے اس وقت وہ حصہ پیش ہے جس میں اشتراکیت کے بنیادی افکار پر تنقید کی گئی ہے۔

"ادارہ"

اشتراکی نظام اور انسانی فطرت اشتراکیت کا پورا نظام چونکہ خالص جذباتی نظام ہے اس لئے یہ نظام سراسر عقل اور انسانی فطرت کے خلاف جنگ ہے، یہ حقیقت ہے کہ غیر فطری امر کو انسان جبر و تشدد کے بغیر قبول نہیں کرتا، کمیونسٹ ممالک سے اگر ایک لمحہ کے لئے بھی جبر و تشدد ہٹ جائے تو وہاں کے عوام اس نظام کو توڑ کر اپنی اصلی فطرت پر آجائیں گے۔ لہذا یہ تحریک قسری و جبری تحریک ہے جس کو تشدد نے عوام پر مسلط کر دیا ہے جس وقت آہنی قلعہ ٹوٹ جائے گا تو یہ تحریک پارہ پارہ ہو جائے گی۔

اختصاص فطری کے خلاف جنگ اشتراکی نظام جبری ہے، اور اختصاصی نظام فطری ہے، یعنی انسانی فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ آزاد ہو کر جائز طریقے سے اپنے لئے رزق کمائے اور اسکی کمائی ہوئی دولت مساکین کے حقوق کی ادائیگی کے بعد اسکی ذات اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ سے مختص ہو۔ یہ اختصاص فطرت انسان میں موجود ہے۔ اور کوئی انسان ایسا نہیں کہ وہ اختصاصی جذبہ سے خالی ہو۔ اب اشتراک اس اختصاص فطری کی ضد ہے کہ خاص چیز کو عام اور مشترک قرار دیا جائے، اسکی مثال بعینہ پانی کی طرح ہے کہ پانی کی فطرت سرد ہونا ہے۔ اب اگر پانی کو آگ پر رکھا جائے یا دھوپ میں رکھا جائے تو اس میں آگ یا دھوپ نے بالجبر اور فطرت کے برخلاف گرمی پیدا کی۔ لہذا جب تک آگ

یا دھوپ کا تعلق اور تسلط رہے گا، پانی اپنی فطرت کے برخلاف سرد رہے گا، لیکن جب پانی پر سے آگ یا دھوپ کا تسلط ختم ہو گا تو پانی بغیر کسی بیرونی سبب کے خود بخود سرد ہو جائے گا، اسی طرح کمیونسٹ عوام کی فطرت سے جس وقت اشتراکیت کا تسلط ختم ہو جائے گا تو فوراً اشتراکیت کی جگہ اختصاصیت آجائے گی جو انسانی فطرت ہے۔

شخصی آزادی کے خلاف جنگ | انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اکتساب رزق اور مالکانہ اختیارات میں آزاد ہو، حیوانات کی طرح دوسروں کا آلہ کار نہ ہو لیکن اشتراکی نظام اسی فطری جذبے کو ختم کر دیتا ہے۔ ہم نے لینن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اشتراکیت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اس سے پہلے جانوروں پر سوار ہوتا تھا، اب انسانوں پر سوار ہو گا۔ تمام قومیں حق خود اختیاری کو تسلیم کرتی ہیں اور سیاسی آزادی کیلئے لڑ رہی ہیں۔ لیکن اگر سیاسی غلامی کے ساتھ شخصی غلامی بھی شامل ہو تو انسان کا شرف انسانیت ختم ہو جاتا ہے اور وہ ریاست کو کمانے کے لئے ایک جامد مشین بنایا جاتا ہے جس سے اس کا فطری حق اور انسانی اختیارات ختم ہو جاتے ہیں۔ اشتراکیت اسی فطری جذبہ انسانیت کے خلاف جنگ ہے۔

انسانی معاشرے کی تنظیم حاجت باہمی پر مبنی ہے اشتراکیت اس کے خلاف جنگ ہے۔ | انسانی معاشرے کا فطری تقاضہ یہ ہے کہ افراد معاشرہ میں باہمی ارتباط زیادہ ہو، اس لئے فطرت نے انسان کو ایک دوسرے کا محتاج بنا دیا ہے، تاکہ معاشرہ مستحکم اور مربوط ہو اور یہ حاجت فطرت نے دو طرفہ رکھی ہے، صاحب مال مزدور کے عمل کا محتاج ہے، اور مزدور اجرت عمل کا محتاج ہے تا وقتیکہ یہ دو طرفہ حاجت قائم ہو تو افراد معاشرہ باہم گہرمربوط ہوں گے، لیکن اگر سب ریاست کے لئے کام کریں، تو ارباب ریاست سے تو ربط ہو گا، لیکن آپس میں ارتباط ختم ہو جائے گا، قرآن پاک میں لیتخذ بعضھم بعضاً سخریا سب اس کی حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اشتراکیت انسانی اخلاق فاضلہ کے خلاف جنگ ہے۔ | انسان کی بلندی اس کے اخلاق فاضلہ سے وابستہ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر احسان کرے، ایثار کرے، ہمدردی کرے، رحمت و شفقت برتے لیکن اگر سب یکساں طور پر صرف ریاست کے کارندے ہوں تو یہ فطری شریف اخلاق ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ غیر فطری مساوات میں ان اخلاق کے

ظہور کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

اشتراکیت انسان کی فطری تفاوت کے خلاف جنگ ہے۔ مال کمانے کے لئے فطرت نے انسان کو دو قوتیں دی ہیں، فکری قوت جس کے ذریعہ تعلیم یافتہ طبقہ مال کماتا ہے۔ اور جسمانی قوت جس کے ذریعے مزدور کسان کماتے ہیں۔ فطرت نے انسان کی فکری قوت بھی یکساں نہیں رکھی کوئی ایک وقت میں کمزوری کی وجہ سے کم کام کرتا ہے۔ کوئی قوت کی وجہ سے زیادہ۔ جب کمانے کے اسباب میں فطری تفاوت موجود ہے تو اس کے نتیجے میں یعنی مال میں بھی تفاوت ہوگا، کوئی کم مالدار کوئی زیادہ ہوگا، اس لئے اشتراکیت کی مصنوعی مساوات اس فطری تفاوت کے خلاف جنگ ہے۔

اشتراکیت میلان الی اللہ کے خلاف جنگ ہے انسان کی فطرت میں اگر جسمانی طور پر کھانے پینے کی طرف میلان موجود ہے، تو روحانی طور پر اس کے اندر فطرۃً خدا کی محبت اور میلان بھی موجود ہے اور انسان کی پوری تاریخ اس فطری جذبۂ محبت خداوندی کا مظہر ہے۔ لیکن اشتراکیت اس حقیقی خدا کی محبت کے خلاف جنگ ہے اور انسانوں پر چند کامریڈوں کی خدائی مسلط کرتا ہے۔

اشتراکیت کے بنیادی افکار پر تنقید

فلسفہ اشتراکیت کی شریعت میں کارل مارکس کو پیغمبر کی طرح تقدس حاصل ہے، اس لئے ہم مارکس فلسفہ کے افکار اس کی ایک کتاب "سرمایہ" سے نقل کر کے اس پر تنقید کرتے ہیں تاکہ اس کی تضاد بیانی اور افکار کی ژولیدگی ناظرین پر واضح ہو جائے۔ ہیگل افلاطونی فلسفہ کی طرح افکار و تصورات کو اصل موثر عامل اور حقیقت سمجھتا ہے اور فطرت کائنات اور انسانی تاریخ اور واقعات کو اس کا تابع سمجھتا ہے، لیکن ہیگل کا متبع مارکس تصوریت کو خارجیت کا تابع سمجھتا ہے۔ لیکن واقع میں دونوں نظریات کلی رنگ میں غلط اور جذباتی ہیں۔ کیونکہ بعض جگہ تصوریت اصل اور خارجیت کی تابع ہے، جیسے ایک انجینئر ایک چھاؤنی کا نقشہ ذہن میں تصور کرتا ہے، اور یہ فرض کیا جائے کہ وہ نقشہ صرف اختراعی ہے اور اسکی نظیر پہلے سے موجود نہیں تو اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ اس تصور کے بعد جب

وہ چھاؤنی تعمیر پاتی ہے تو یہاں تصوریت اصل ہے اور چھاؤنی کا خارجی وجود اس کا تابع ہے کہ اس تصوری نقشے کے تحت وہ ظہور میں آیا، اس لئے مارکس کا ہر جگہ خارجیت کو اصل اور تصوریت کو تابع قرار دینا غلط ہے۔ لیکن بعض حالات میں خارجیت اصل ہوتی ہے، اور تصوریت تابع۔ مثلاً ہم نے ایک بوٹی کو ایک مرض کے لئے بار بار استعمال کیا اور وہ اس مرض میں مفید ثابت ہو کر اس نے مرض کو دور کیا تو اس خارجی عمل سے ایک تصور قانون تعلیل کا پیدا ہوا کہ فلاں بوٹی فلاں مرض کے ازالہ کی علت ہے۔ اسی طرح سائنس کے تمام مادی تجربات کا حال ہے کہ پہلے خارجی وجود میں اشیاء کا تجربہ کیا جاتا ہے۔ پھر ایک قانون کا تصور پیدا ہوتا ہے کہ مثلاً پانی سے بجلی اس طرح پیدا کی جاتی ہے اور اسٹیم اسطرح پیدا ہو کہ اس کے ذریعہ گاڑی چلائی جاتی ہے۔ یہاں پر خارجی تجربات پہلے کئے جاتے ہیں اور ان سے تصوری قانون تعلیل بعد میں پیدا ہوتا ہے کہ ان تمام صورتوں میں خارجیت اصل ہے، اور تصوریت تابع ہے لہٰذا مارکس کا یہ نظریہ غلط ہے کہ تمام صورتوں میں تصوریت تابع اور خارجیت اصل ہے اس کے علاوہ ان دونوں مادی فلسفیوں کو یہ اقرار ہے کہ خارجیت اور تصوریت لازم ملزوم ہیں لیکن اس کے باوجود وہ مادہ اور اسکی حرکت کو ازلی مانتے ہیں، اور فطرت کائنات کو حرکت مادہ کا نتیجہ تسلیم کرتے ہیں اور یہ کہ نہ خدا کی ضرورت ہے اور نہ فطرت کائنات کے وجود کے لئے ارادہ کی حاجت ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ خارجیت کیساتھ تصوریت ضروری ہے یا پہلے یا پیچھے تو مادہ اور اسکی حرکت کو جب عالم خارجیات کے لئے خدا کے مقام پر رکھا گیا تو وہ باتفاق فلاسفہ شعور اور علم اور تصور سے خالی ہے تو اس میں تصوریت کہاں سے آئے گی۔ یہ تناقض اور تضاد ہے۔

۲۔ فکر | مارکس کہتا ہے کہ مذہب جن اسباب و عوامل سے پیدا ہوا وہ خوف و بیچارگی کا احساس ہے۔ اب فطرت خارجی پر ایک حد تک انسان نے قابو پالیا اس لئے خوف و دہشت باقی نہیں رہی تاکہ مذہب کا سہارا لینے کی ضرورت ہو۔

۲۔ تنقید | مارکس کا یہ فلسفہ بھی سو فیصدی غلط ہے کہ :-

۱۔ مذہب خوف سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو اشتراکی مذہب بھی معاشی خوف سے پیدا ہوا۔

۲۔ فطرت خارجی پر قابو پانے سے خوف زائل ہوا۔ اگر زائل ہوا تو پھر اشتراکی مذہب

کیوں پیدا ہوا جبکہ فطرت پر قابو پا لیا گیا ہے، کیونکہ اشتراکیت بھی ایک مذہب ہے۔ جیسے ہم نے ثابت کیا ہے۔ اور کیا اس وقت جبکہ فطرت پر قابو پا لیا گیا ہے، تو خوف پر قابو پانے سے خوف کا دور ہونا بالکل غلط ہے۔ اس کے علاوہ صحیح مذہب کی بنیاد خدا کی توحید پر ہے۔ اگر بقول مارکس اس دور میں توحید ماننے کی ضرورت نہیں کہ فطرت پر قابو پا لیا گیا ہے۔ اور اس نے خوف دور کیا تو کیا اس دور میں خدا پر قابو پا لیا گیا کہ اس سے خوف نہ کیا جائے یا یہ کہ اس دور میں اسکی قدرت کی وسعت اور زیادہ منکشف ہوئی کہ کائنات میں اس نے نہایت حکیمانہ قوانین وضوابط رکھے ہیں جن کی وجہ سے سائنس ظہور میں آئی کیونکہ سائنس دریافت قوانین قدرت کا نام ہے۔ اور کیا چودہ سو سال قبل جب اسلام نے توحید باری تعالیٰ پھیلائی اور بے شمار معبودانِ باطل کا خوف زائل کیا تو اس وقت فطرت پر قابو پا لیا گیا تھا۔؟ اگر نہیں تو فطرت پر قابو پا لینے کو ازالہ خوف میں مؤثر سمجھنا غلط ثابت ہوا۔ نیز مادہ اور اسکی حرکت کو ازلی سمجھنا جو مادہ پرستوں کا مذہب ہے یہ کس خوف کا نتیجہ ہے، شرکی مذاہب کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے غیر اللہ کے خوف سے شرک اختیار کیا لیکن جب اسلام نے کروڑوں انسانوں کے شرک کو مٹایا اور صرف اللہ کے خوف کو قائم رکھا تو انہوں نے ازالہ خوف تبلیغ اسلام سے کیا یا فطرت پر قابو پانے سے۔

۳۔ فکر | مسئلہ اضداد جس کو آج کی اصطلاح میں جدلیات بھی کہتے ہیں، مارکس کہتا ہے کہ ہر نظام زندگی ہر تصور، ہر مادی شئے، اور معاشرتی حالت اپنے اندر ایک ضد کی پرورش کرتی ہے جو ایک خاص وقت پر ظاہر ہو کر اس سے متصادم ہوتی ہے؛ اور اس تصادم سے ایک نیا نظام نیا تصور نئی مادی شئے یا نئی معاشرتی حالت پیدا ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر ہر شئے دو متضاد حقیقتوں یا متضاد صفات کا مجموعہ ہوتی ہے مثلاً ایک لکڑی سخت ہے کہ اس پر چیز رکھی جا سکتی ہے، اور نرم بھی کہ اس میں میخ ٹھونکی جا سکتی ہے۔ یہ فلسفہ اضداد ہیگل سے ماخوذ ہے۔

۲۔ تنقید | ان دونوں فلسفیوں نے اضداد کا مفہوم غلط سمجھا ہے۔ دو چیزوں میں فرق اور چیز ہے اور تضاد اور چیز ہے۔ انجنیرنگ اور ایگریکلچر میں فرق ہے۔ لیکن تضاد نہیں۔ خود اطالوی فلسفی نے بھی فلسفہ اضداد کی تردید کی جس کا نام کروس ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ان دونوں نے دو چیزوں کے فرق کو تضاد سمجھا ہے۔ جو غلط ہے۔ مذہب، آرٹ اور فلسفہ میں

فرق ہے۔ لیکن آپس میں ضد نہیں، جن تصورات کو ایک دوسرے کا ضد قرار دیا جاتا ہے، وہ ایک اصل کے دو فرع ہیں، اور ایک دوسرے کے مکمل ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر نظام زندگی اپنی ضد کی پرورش کرتا ہے جو ایک خاص وقت پر ظاہر ہو کر اس سے متصادم ہوتی ہے، جس سے نیا نظام پیدا ہو جاتا ہے، اصولی طور پر اس میں ایک غلطی تو یہ ہے کہ اگر جدید نظام کی پیدائش اضداد کے تصادم کا ایک طبعی نتیجہ ہے، تو اشتراکی نظام نے مسئلہ اضداد کے تحت خود بخود پیدا ہونا تھا تو اس کے لئے کروڑوں انسانوں کی تباہی اور جدوجہد کی کیا ضرورت تھی، اس خاص وقت کا کیوں انتظار نہیں کیا گیا جس سے مسئلہ اضداد کے تحت پرامن طریقے سے نظام اشتراک پیدا ہوتا جبکہ مسئلہ اضداد کے اصول کے تحت وہ اس خاص وقت سے پہلے پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر ایک بچہ شکم مادر سے مقررہ وقت پر پیدا ہوتا ہے تو اس میں ہنگامے برپا کرنے کی کیا ضرورت۔؟ دوسری غلطی یہ ہے کہ اگر مارکس کا نظریہ درست ہے تو ہر نظام کی طرح اشتراکی نظام بھی اپنی ضد کی پرورش کرتا ہو گا۔ پھر مستقبل میں ایک نیا مختلف نظام تصادم اضداد سے پیدا ہو گا، جس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر نظام کی طرح تصادم اضداد کے قانون کے تحت اشتراکی نظام بھی کوئی مستقل نظام نہیں۔ اس کو ختم ہونا ہے۔ تیسری غلطی یہ ہے کہ جب ہر نظام ہر تصور اور ہر مادی چیز قانونِ اضداد کا قدرتی نتیجہ ہے تو انسانی سعی وعمل وجدوجہد محض بیکار اور لغو ہے، ان تین غلطیوں سے معلوم ہوا کہ مارکس اس نظریہ میں تضاد کا شکار ہوا ہے اور متضاد راہوں پہ گامزن ہے۔ چوتھی غلطی یہ ہے کہ ان دو فلسفیوں کا یہ کہنا کہ ہر مادی شئے اپنی ضد کی پرورش کرتی ہے بالکل غلط ہے۔ فلسفہ کے لحاظ سے مادی شئے جوہر اور قائم بالذات ہوتی ہے، اور جوہری اشیاء میں تضاد ناممکن ہے، کیونکہ تضاد اوصاف اور عرضی اشیاء میں ہوتا ہے، مثلاً سیاہی سفیدی کی ضد ہے۔ وہ دونوں بیک وقت ایک ہی چیز کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتی۔ لیکن مادی اور جوہری چیزیں کسی دوسری چیز سے قائم نہیں۔ بذات خود قائم ہیں۔ ان میں تضاد نہیں۔ پانچویں غلطی یہ ہے کہ سختی ونرمی کی جو مثال دی گئی ہے کہ لکڑی میں دونوں جمع ہیں بالکل غلط ہے، اولاً اس وجہ سے کہ اگر وہ ضد ہوتی تو جمع ہونا دو ضدوں کا ایک محل میں ممکن نہیں، جیسے گرمی وسردی۔ دوم اس وجہ سے کہ لکڑی نہ لوہے کی طرح سخت ہے نہ پانی کی طرح نرم۔ بلکہ سخت چیزوں کی درمیانی قسم ہے۔ سخت چیز کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ اعلیٰ جس میں

میخ کو نہ ٹھونکا جا سکے، اگر ٹھونکی جائے تو ٹوٹ جاتی ہے اور آگ سے بھی نرم نہ ہو سکے۔ جیسے پتھر۔ دوم وہ کہ میخ اس میں ٹھونکی جا سکتی ہے مگر تکلیف کے ساتھ اور وہ آگ سے نرم ہو سکے۔ جیسے لوہا۔ اور تیسری قسم جو درمیانی ہے کہ میخ اس میں آسانی کے ساتھ گھس سکے وہ لکڑی ہے، لہٰذا اس میں نرمی کا تصوّر غلط ہے، بلکہ وہ سخت اشیاء کی ایک قسم ہے یہ صاف تضاد بیانی ہے۔

۴۔ فلسفہ | مارکس کہتا ہے کہ مادہ ازلی ہے اور اس کا وجود ہی ہمارے ادراک و شعور پر موقوف نہیں اور کائنات کے جملہ مظاہر مادہ کی حرکت کے اثرات ہیں۔

۴۔ تنقید | اس میں تضاد ہے کیونکہ اشتراکیت کا انکار خدا اس اصول پر مبنی ہے کہ وہ ہمارے شعور سے خارج ہے اور تجربات اور مشاہدات کے دائرے سے باہر ہے تو جب مادہ بھی ادراک و شعور کے دائرے سے باہر ہے تو اس کو کیونکر تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ آثار مادہ سے ہم نے استدلال کیا تو کیا یہی استدلال آثار قدرت الٰہی سے خدا کے وجود پر نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کائنات عالم کو مادہ، اور حرکت مادہ کی طرف منسوب کرنا اور خدا کی طرف منسوب نہ کرنا اس لئے نامعقول ہے کہ کائنات میں حیات بھی موجود ہے مثلاً انسان وغیرہ میں اور مادہ بالاتفاق حیات اور زندگی سے خالی ہے تو منفی سے مثبت اور غیر زندہ مادہ سے زندگی کسطرح وجود میں آئی جب کہ مثبت ہی سے مثبت پیدا ہوتا ہے مثلاً کوئلہ اور لکڑی میں آگ موجود ہے تو اس سے آگ وجود میں آسکتی ہے، لیکن راکھ اور خاکستر میں آگ موجود نہیں تو اس سے آگ ظہور میں نہیں آسکتی اس لئے مادہ کی طرف زندگی اور زندہ اشیاء کو منسوب کرنا خلاف عقل ہے۔ معقول یہ ہے کہ زندہ ذات یعنی رب العالمین کی طرف عالم کو منسوب کیا جائے۔ جب تم نے مردہ چیز کو خدا کا مقام دینا ہے تو پھر زندہ خدا کو ماننے سے کیوں گریز کیا جاتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ کائنات کا نظام پُر حکمت ہے اور وہ نہایت حکیمانہ قوانین پر مشتمل ہے جس کو وقتاً فوقتاً سائنسی تجربات سے ہم معلوم کرتے ہیں تو کیا ایسا نظام خدائے علیم و حکیم کی طرف منسوب کرنا معقول ہے یا اس مردہ اور بے جان مادہ کی طرف جو علم و حکمت اور شعور تک سے خالی اور محروم ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ عالم کے اندر ایک معقول ترتیب ہے۔ انسانی اعضاء کے کل پرزے باہمد گر مرتب ہیں اگر اس ترتیب میں ذرہ برابر فرق پڑ جائے تو انسان بیمار ہو جاتا ہے اور اسکی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح حیوان نباتات میں بھی ترتیب ہے یہ علم الحیوانات اور علم النباتات میں واضح کی گئی ہے اور ستاروں اور سیاروں میں بھی ترتیب ہے۔ یہ ترتیب علم و حکمت کے بغیر اتفاقی طور پر پیدا نہیں ہو سکتی۔ فلاسفہ جدید کا اتفاق ہے کہ اگر کاغذ کے مساوی سائز کے ٹکڑے کاٹے جائیں اور ایک پر ایک کا ہندسہ لکھا جائے اور دوسرے ٹکڑے پر دو کا، تیسرے پر تین کا، دس تک، اور اس کو ایک تھیلے میں ڈال کر ایک اندھے آدمی کو دیا جائے یا کسی ان پڑھ کو دیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ تم اس میں سے ایک ایک ٹکڑہ نکالتے جاؤ تو اگر وہ کاغذ کے ان ٹکڑوں کے نکالنے کا عمل اربوں سال تک کرتا جائے تو بالترتیب ایک سے دس پرزوں کے نکالنے کی نوبت نہیں آئے گی، تو عالم کائنات کی یہ عظیم ترتیب اندھے اور بے سمجھ مادہ سے اتفاقی طور پر کیونکر وجود میں آئی۔ اسی کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا: صنع اللہ الذی اتقن کل شئ۔ کائنات اسی خدا کی کاریگری ہے جس نے مضبوط ترتیب ہر چیز میں قائم کر رکھی ہے، اسی وجہ سے ڈبلو ٹارک ریزک نیوٹن کہتا ہے کہ موجودہ ترتیب عالم ایک ذات علیم و قدیر کے بغیر ممکن نہیں۔ ہربرٹ سپنسر کہتا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ انسان کے اوپر ایک علم و حکمت والی ازلی ابدی قوت موجود ہے۔ فیل فلاریان کہتا ہے کہ تمام فلاسفر اس بات کے سمجھنے سے عاجز ہیں کہ وجود کیونکر آیا اور کیونکر اس نے ترقی کی۔ لہٰذا وہ ذات خالق کے اقرار پر مجبور ہیں — نوتل انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ اللہ کی ہستی کا علم واضح اور بدیہی ہے۔

پانچویں غلطی یہ ہے کہ مادہ اشیاء خود بخود کوئی خاص صورت اور شکل اختیار نہیں کرسکتا۔ جب تک ایک ماہر اور صاحب علم شخصیت اس میں تصرف نہ کردے۔ سائنسی مصنوعات جدیدہ مادے کی مختلف شکلیں ہیں۔ کیا یہ شکلیں مادہ سے خود بخود وجود میں آئیں یا ماہرین فن کے فعل و عمل سے۔ اسی طرح کائنات کا عظیم مصنوع کے وجود میں آنے کے لئے بھی ایک ماہر ذات کی ضرورت ہے اور وہ خدا ہے۔

چھٹی غلطی یہ ہے کہ تجربات اور مشاہدات میں خدا کا نہ پایا جانا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ عدم علم اور چیز ہے اور علم عدم اور خود مادہ جو تحقیق کی رو سے برق پاروں کا نام ہے۔

اس کو اور اس کے خواص کو ہم نہیں جانتے، حیات اور زندگی اور روح کے باطنی صفات کو ہم مشاہدہ اور تجربہ میں نہیں لاسکتے اور پھر بھی ہم ان کے وجود کا اقرار کرتے ہیں۔

ساتویں غلطی یہ ہے کہ مادہ کل کمالات میں خود انسان سے کم درجے کی چیز ہے، اور انسان اشرف المخلوقات ہے تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کمتر چیز کو تخلیقِ کائنات منسوب ہو اور انسان اشرف کو منسوب نہ ہو۔

آٹھویں غلطی یہ ہے کہ انسان آخری ترقی یافتہ مخلوق ہے اس کی ترقی اور ذہنی اور فکری ارتقار کے لئے ایک ایسی ہستی کا وجود ضروری ہے، جو اس کی ترقی اور بلند خیالی کے لئے نمونہ بن سکے، جیسے کم کمال رکھنے والا ہمیشہ اپنے سے بڑے باکمال ہستی کے نمونہ کو دیکھ کر اسکی نقل اتارنے اور اس سے مشابہت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور ایسی ذات خدا کا وجود ہو سکتا ہے۔ نہ مردہ بے جان اور بے سمجھ مادے کا۔

نویں غلطی یہ ہے کہ انسانی اصلاح اور درستی کے لئے ایسی ذات کا یقین ضروری ہے کہ اس کے کمال اور قدرت اور عدل حکمت وجلال میں اس کی کوئی نظیر نہ ہو، تاکہ اس ذات کی دلوں کے باطن پر عظمت وحکومت برائی سے مانع اور بھلائی پر ابھارنے والی ہو۔

دسویں غلطی یہ ہے کہ دنیا میں ضعیف اور کمزور افراد کی تعداد زیادہ ہے اور غالب اور قوی اور با اقتدار لوگ ان پر ظلم کرتے ہیں۔ عالم اسباب میں ان کے ٹوٹے ہوئے دلوں کے لئے کوئی سہارا نہیں ہوتا جس سے ان کی یاس اور ناامیدی آس اور امید میں بدل جائے اور ان کے دلوں کے لئے قوت اور اطمینان کا سامان ہو۔ یہ فطری ضرورت خدائے قادر مطلق اور علیم اور خبیر کی ذات پر یقین کرنے سے پوری ہو سکتی ہے، نہ مردہ اور عاجز مادہ کی تسلیم سے۔ اس لئے خدا کی ضرورت عقلی بھی ہے فلسفی بھی ہے، اور فطری بھی ہے اور اصلاحی اور ارتقائی بھی۔

۵۔ فکر | مارکس کہتا ہے کہ کوئی صداقت ابدی نہیں بلکہ حالات کی تابع ہے، حالات جب بدل جاتے ہیں، تو صداقت بھی بدل جاتی ہے، اس لئے کوئی صداقت ہمیشہ کے لئے صداقت نہیں، احوال حرکت مادہ کے نتائج میں، جو تغیر پذیر ہیں، تو صداقت بھی تغیر پذیر ہے۔ وحی کے متعلق کہتا ہے کہ انسان کی اندرونی قوت کے سوا کوئی اور ذریعہ علم نہیں۔ اس لئے وحی کا افسانہ غلط ہے۔

۵۔ تنقید | اگر کوئی صداقت ابدی نہیں تو اشتراکیت کی صداقت اور مادہ اور مادہ کی حرکت

کی صداقت بھی ابدی نہیں۔ جب احوال بدل جائیں گے تو یہ دونوں صداقتیں بھی ختم ہوں گی اور اگر یہ ختم نہ ہو گی تو یہ تضاد اور تناقض ہے ۔۔۔ اور کیا ظلم کی برائی اور انصاف کی بھلائی ابدی نہیں اور اس طویل عرصے میں سب احوال کی تبدیلی سے وہ کیوں نہیں بدلے ؟ درحقیقت ابدی صداقتوں کا انکار کوئی معقول نظریہ نہیں بلکہ یہ مادیت کا لازمی نتیجہ ہے جب مادہ پرستوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ کائنات، فطرت اور انسانی تاریخ کے واقعات حرکت مادہ کے ناگزیر نتائج ہیں اور مادی مقاصد ہی سب کچھ ہے، تو اس خیال سے خود بخود ضابطۂ اخلاق اور ابدی صداقتوں کا انکار لازم آتا ہے تاکہ مادی فوائد کے حصول کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ باقی وحی کا انکار تو اس لئے غلط ہے کہ وحی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے دل و دماغ میں روح مطلق یعنی خالق کائنات کی طرف سے الفاظ اور مطالب کا القاء ہو خدا کے ثبوت میں دلائل پہلے بیان ہو گئے ہیں، اب اس کی طرف سے کسی منتخب ذات کے دل و دماغ میں کسی علم کا منتقل کر دینا یہ وحی ہے جو بوجوہات ذیل درست ہے۔

۱۔ بہت سے حیوانات مثلاً چیونٹی، شہد کی مکھی، عنکبوت یا مکڑی کے متعلق جدید تحقیقات نے ایسے علوم بیان کئے ہیں جن کو معلوم کر کے انسان حیران ہو جاتا ہے۔ تفصیل کا یہ موقعہ نہیں اب ان علوم کا ان حیوانات کو حاصل ہونا کسی تعلیمی مروج طریقے سے ہوا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ نہ وہ کسی اسکول میں داخل ہوئے نہ کوئی کتاب پڑھی، نہ انہوں نے کسی استاذ سے استفادہ کیا تو ظاہر ہے کہ ان کو یہ علوم غیر معروف طریقے یعنی الہام ربانی سے حاصل ہوئے۔ واوحینا الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا۔ (قرآن) یعنی ہم نے الہام سے شہد کی مکھی کو سمجھایا کہ تم پہاڑوں میں اس خاص طریقے سے شہد کا چھتہ بناؤ جب حیوانات میں علم کا خارجی ذریعہ موجود ہے تو کیا انسانوں میں مخصوص حضرات انبیاء علیہم السلام کو خارجی قوت یعنی ذات رب العالمین بذریعہ وحی علوم منتقل نہیں کر سکتی۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مصنوعات جدیدہ بھی الہام الٰہی کا نتیجہ ہے۔ مثلاً سب سے پہلے جس موجد نے ہوائی جہاز کی مشین کو بنانا چاہا اور وہ مشین اب تک بنی نہیں تھی اسلئے اس کے تجربات و مشاہدات سے اس کا صحیح نقشہ خارج تھا۔ اس نے یقیناً اس نقشہ کی طرف اپنے ذہن کو متوجہ کیا ہو گا۔ لیکن موجد کا کام صرف طلب ہے اور فکر و ذہن کو متوجہ کرنا ہے۔ ٹھیک نقشہ کا دفعتہً یا بعد از تجربہ ذہن میں آنا یہ الہام ربانی سے ہوتا ہے۔

قرآن نے یہی بیان کیا۔ کلا نمد ھولاء وھولاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا۔ مسلمان اور غیر مسلمان دونوں جس چیز کو طلب کرے تو ہم ان کو امداد دیتے ہیں اور تمہارے رب کی امداد کسی سے بند نہیں، یہ امداد وہ الہام الٰہی ہے جس سے اس چیز کا نقشہ اس کے دماغ میں ڈال دیا جاتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے۔

۳۔ ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ انسان ایک بے جان آلہ میں ایک شخص کے الفاظ اور تقریر کو منتقل کر کے محفوظ کر سکتا ہے۔ تو کیا خالق کائنات کے لئے یہ مشکل ہے کہ الفاظ وحی مثلاً قرآن کسی برگزیدہ رسول کے ذہن میں بے جان آلہ کے ذریعہ سے نہیں بلکہ ایک جاندار ملکی قوت کے ذریعہ منتقل کر دے۔

تفسیر حبیبی و تشریح بخاری (پشتو)

بیس سال کے عرصہ میں بحمد اللہ تفسیر "منار" کے بارہ پاروں کی پشتو تفسیر اور باقی اٹھارہ پاروں کی تفسیر جدید اور قدیم تفسیروں کی تحقیق سے چھ ہزار صفحات پر تکمیل کو پہنچ گئی۔ فی پارہ دو روپیہ اور کل تفسیر کا ساٹھ روپیہ ہدیہ ہے، اور تشریح بخاری پشتو پانچ اول پارے۔ اور کتاب التفسیر ۱۸+۱۹+۲۰ پارے بھی چھپ گئے۔ تاجران کتب اور طلباء سے خاص رعایت کی جائیگی، تفسیر اور تشریح مغربی پاکستان کے کالجوں اور سکولوں کی لائبریریوں میں محکمہ تعلیم نے منظور کی ہیں۔ بحمد اللہ مقبول عام ہے۔

پتہ: دار التصنیف۔ رستم۔ ضلع مردان

مولانا سمیع الحق صاحب مدرس دار العلوم حقانیہ و مدیر ماہنامہ الحق ۲۶ ذیقعدہ کو سفر حج و زیارت پر گئے ہیں، ان کے نام جو ڈاک آرہی ہے ان سے متعلقہ امور کا جواب انکی واپسی پر دیا جاسکے گا۔ البتہ دفتر سے متعلق امور پر ہم پوری کاروائی کرتے رہیں گے۔

(صابر علی شاہ۔ منیجر الحق)